برطانوی عہد میں لاہور ایک ادبی مرکز

شگفتہ حسین

لاہور اور اس کے ملحقہ علاقے ہمیشہ سے اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ برطانوی عہد کے شروع میں ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو انگریزوں نے دلیپ سنگھ کو معزول کر کے پنجاب پر قبضہ کرلیا۔ تمام قلعہ جات سوائے ان کے جن کا قائم رکھنا جنگی یا سیاسی ضرورتوں کے لحاظ سے مناسب سمجھا گیا، تمام پنجاب میں منہدم کردئے گئے[1]۔ الحاق پنجاب کے بعد ایک انتظامی بورڈ قائم کیا گیا لیکن ۱۸۵۳ء میں اس بورڈ کو ختم کر کے سرجان لارنس کو پنجاب کا پہلا چیف کمشنر مقرر کردیا گیا، جرائم کے انسداد پر توجہ دی گئی، دریاؤں اور نہروں کا نظام درست کیا گیا۔ چناب، جہلم اور سندھ کے پانیوں کو استعمال کرنے کے لیے بہترین پالیسیاں مرتب کی گئیں[2]۔ ان تعمیری کاموں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں پنجاب کی دلچسپی بہت کم رہی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد پنجاب بھی برصغیر کے دوسرے صوبوں کی طرح کمپنی کی عملداری سے نکل کر تاج برطانیہ کے سائے میں آ گیا۔ ۱۸۵۹ء میں پنجاب میں چیف کمشنر کا عہدہ ختم کر کے لیفٹیننٹ گورنر کا تقرر عمل میں آیا۔ دہلی کو پنجاب کے ماتحت کرتے ہوئے لاہور کو پنجاب کا دارالحکومت بنا دیا گیا۔ انارکلی اور میاں میر کے مقام پر پہلی انگریزی چھاؤنیاں قائم کی گئیں اور شہر کو غلاظت سے پاک کیا گیا[3]۔ پرانی عمارتوں کی جگہ نئی عمارتوں نے لے لی، لیکن ان میں سے چند ایسی عمارتوں کو سرکاری طور پر محفوظ کرلیا گیا جو اس قابل تھیں[4]۔

۱۷۵۶ء تک پنجاب مغلیہ سلطنت کا صدر مقام رہا، جنہوں نے علمی اعتبار سے اسے بہت اہمیت دی اور پنجاب پورے ایشیاء میں مشہور ہوگیا۔ مغلوں کے زوال سے پہلے تاریخی عوامل کے تسلسل اور معاشرتی، ثقافتی، ادبی اور لسانی حقائق اور تغیرات کے سبب دلی اور لکھنؤ ہندوستان کے دو بڑے تہذیبی، ادبی اور سیاسی مراکز تھے، لیکن انگریز نے اپنی مخصوص سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے پنجاب کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے رکھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد جب دلی اور لکھنؤ کی سیاسی اور معاشرتی حیثیت ملیامیٹ ہوئی تو علم وفن کے حامل افراد نے رام پور، حیدرآباد اور دکن کی طرح پنجاب کو بھی خطۂ عافیت جانتے ہوئے اس علاقے کا رخ کیا۔ انگریز کی آمد سے پورے ماحول، میں جو تبدیلی آئی تھی اس نے فکر و احساس کی بھی نئی راہیں متعین کی تھیں اور انہی کے نتیجے میں پنجاب اب اردو زبان وادب کی نشوونما کا مرکز بن رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں ادیبوں اور شاعروں کے دو گروہ آباد ہو گئے تھے۔ ایک وہ جو پنجاب کے رہائیشی تھے، اور دوسرے وہ جو ۱۸۵۷ء کے بعد ہجرت کر کے آئے تھے، مثلاً مرزا اعظم بیگ (گجرات)، منشی نظام دین (لاہور)، شیوناتھ منتظر (لاہور)، منشی غلام سرور (لاہور)، سردار دھیان سنگھ (لاہور)، میراں صاحب

نامی (گوجرانوالہ)، سید نصرت علی (لاہور)، مولوی کریم بخش (لاہور)، مادھو سروپ (لاہور)، امبا پرشاد (سیالکوٹ)، مولوی فقیر محمد (جہلم)، فیروز الدین (سیالکوٹ)، نادر علی سیفی (لاہور) منشی محمد اعظم (لاہور)، لالہ پر سکھ رائے (لاہور)، سردار دیال سنگھ مجیشیٹھیہ (لاہور)، منشی کنہیا لال (سیالکوٹ)، غلام محمد (سیالکوٹ)، سلطان علی صولت (جالندھر)، پادری رجب علی (امرتسر)، سید رجب علی (لاہور)، منشی قادر بخش (انبالہ)، وغیرہ[۵]۔

محمد حسین آزاد بھی لاہور آ گئے اور حالی کو بھی پیارے لال آشوب نے لاہور آنے کی ترغیب دی تھی جو ہجرت کر کے آنے والے اس ادبی گروہ میں شامل تھے جن میں دوسرے مشاہیر کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً مرزا اشرف علی اشرف، گوری شنکر مجذوب، اعجاز مرزا، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولوی خلیل الرحمان، میر ناظر حسین، فتح الدین بسمل، راج نرائن ارمان، مرزا ارشد گورگانوی، مفتی محمد عبداللہ ٹونکی، مولوی محرم علی چشتی، لالہ سری رام، برج موہن تاتریا کیفی، مولوی سیف الحق ادیب اور میر نثار علی شہرت وغیرہ[۶]۔

لاہور ہندوستان کا شیراز نہیں تو نیشا پور ضرور تھا اس لیے کہ مردم خیزی کی حیثیت سے لاہور دہلی سے دوسرے درجے پر تھا[۷]۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء میں لاہور میں گورنمنٹ کالج کا قیام، ۱۸۷۲ء میں اورئینٹل کالج اور ۱۸۸۲ء میں پنجاب یونیورسٹی کی تاسیس و تشکیل نے اس خطے کی علمی، تمدنی اور ادبی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا[۸]۔ گورنمنٹ کالج کے پہلے پرنسپل ڈاکٹر لائٹنر نے پنجاب کی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کے لیے انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب کی ۱۸۶۵ء میں داغ بیل ڈالی۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد ادبی اور علمی سے زیادہ سماجی، سیاسی اور معاشرتی تھے۔ مختلف شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔ لاہور میں ایک کتب خانہ و دارالمطالعہ قائم کیا گیا۔ ایک ہفتہ وار اخبار جاری ہوا اور ہفتہ وار علمی مجالس کا انعقاد باقاعدگی سے ہونے لگا، جہاں مختلف ادبی و علمی موضوعات پر مضامین پڑھے جاتے اور ان پر بحث ہوتی[۹]۔ بقول ڈاکٹر انور سدید، جس طرح نئی شاعری کو انجمن پنجاب نے ایک باقاعدہ شعوری تحریک کی صورت دی اس طرح اردو کی تنقید اور تحقیق کی خشت اول بھی اسی تحریک نے فراہم کی[۱۰]۔ مئی ۱۸۵۷ء میں انجمن پنجاب کے تحت ماہوار موضوعاتی مشاعروں کا آغاز ہوا جن میں حالی اور آزاد کی نظموں نے جدید اردو شاعری کا سنگ بنیاد رکھا۔ شروع میں انجمن کے مشاعروں کا زیادہ اثر پنجاب کی ادبی فضا میں نظر نہیں آتا لیکن بعد میں اس نے ادبی میراث میں رہبری اختیار کی اور لکھنؤ اور دہلی میں روشن تہذیبی شمع کو جسے ۱۸۵۷ء کی باد سموم نے بجھا دیا تھا لاہور اور دوسرے شہروں میں روشن کرنے کی کوشش کی، یوں انیسویں صدی کے آخر میں لاہور ادبی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ انہی دنوں سر سید احمد خان بھی لاہور آ کر لوگوں سے خطاب فرماتے رہے۔ ان تقریروں نے اہل لاہور کے

سیاسی، مذہبی اور روحانی میلانات کی تشکیل اور ارتقاء میں نمایاں حصہ لیا[۱۱]۔ انجمن حمایت اسلام کی ابتداً بھی انہی دنوں ہوئی جس میں علامہ اقبال جیسے شعراء کی شرکت بھرپور رہی۔ اقبال کو اقبال دراصل لاہور ہی کے ادبی ماحول نے بنایا۔ جبکہ لاہور سے باہر انہیں 'مخزن' رسالے نے متعارف کرایا۔ ''مخزن'' اپریل ۱۹۰۱ء میں نکلنا شروع ہوا۔ لیکن پنجاب میں ''مخزن'' سے پہلے ہی صحافت اور چھاپہ خانوں کا دوردورہ تھا۔ یہاں سے ادبی ماہناموں کا بھی اجراء ہوا جن میں 'ہمائے بے بہا' سے پنجاب میں ادبی صحافت کا باقاعدہ آغاز ہوا[۱۲]۔

''مخزن'' کو اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے کہ اس سے رسائل کا جو دور شروع ہوتا ہے وہ کافی دور تک جاتا ہے۔ اس دور کے تمام مشہور جرائد مثلاً مخزن، کہکشاں، شباب اردو، ہمایوں، ہزار داستان، نونہال عالمگیر، نیرنگ خیال، رومان، بہارستان، خیالستان، ادبی دنیا، شاہکار اور ادب لطیف اپنے مخصوص مزاج اور انداز کے مطابق اردو ادب کی ترویج میں حصہ لیتے رہے۔ گویا اردو ادب کی باگ ڈور لاہور کے رسائل کے ہاتھ میں تھی۔ یوں خطۂ پنجاب خصوصاً لاہور کو وہ ادبی حیثیت حاصل ہوگئی جو کبھی دلی اور لکھنؤ کو حاصل تھی۔ اسی دوران ۱۹۲۵ء میں حافظ شیرانی کی تصنیف ''پنجاب میں اردو'' شائع ہوئی اور انہوں نے وہ سعادت جو برج بھاشا، کھڑی بولی کو دہلی اور لکھنؤ میں حاصل تھی، وہ چھین کر پنجاب اور پنجابیوں کی گود میں ڈال دی[۱۳]۔ دہلی، لکھنؤ، الہ آباد، علی گڑھ سب جگہ کہرام مچ گیا اور اسی سبب لاہور میں بھی ادبی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان معرکہ آرائیوں کے ایک فریق مولانا تاجور نجیب آبادی اور ان کے ہمنوا تھے اور دوسرے فریق نیاز مندان لاہور تھے۔

انیسویں صدی کے آخر تک 'بازار حکیماں' لاہور کا 'چیلسی' بنا رہا۔ حکیم شجاع الدین محمد جو حکیم احمد شجاع کے والد تھے، انہوں نے ۱۸۹۰ء میں 'اردو بزم مشاعرہ' کی بنیاد رکھی، جسے 'انجمن اتحاد' کا نام دیا گیا۔ مشاعرہ ہر ہفتے حکیم صاحب کے وسیع دالان میں منعقد ہوتا اور یہاں پڑھا جانے والا کلام ماہنامہ 'شور محشر' لاہور میں شائع ہوتا۔ یہ انجمن بعد میں دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک 'انجمن اتحاد' اور دوسری 'بزم قیصری' کے نام سے موسوم ہوگئی۔ مشاعرے حضوری باغ لاہور میں ہوتے تھے۔

مولانا تاجور کو ادبی رسالوں کو مرتب کرنے اور نوجوانوں کو نظم اور نثر میں اصلاح دینے سے خاصی دلچسپی رہی۔ انہوں نے ایک انجمن 'ارباب علم' کی بنیاد رکھی، جس کے مشاعرے ایس۔ بی۔ ایس کے ہال میں ہوتے تھے۔ مولانا تاجور کا یہ اردو زبان پر احسان ہے کہ انہوں نے ایک طویل مدت تک مختلف رسالے شائع کر کے اور جگہ جگہ پر مشاعروں کی مجلسیں قائم کر کے نہ صرف اردو کی ہر دلعزیزی کا سامان بہم پہنچایا بلکہ شعر و ادب کے ذوق کو نہایت

ہی سیدھی راہ پر ڈال کر اردو زبان کی تہذیب و ترویج کے باب میں وہی کام کیا جو ان سے پہلے سر عبدالقادر کر چکے تھے[۱۴]۔

عبدالمجید سالک، ابوالاثر حفیظ جالندھری، ہری چند اختر، اختر شیرانی، نظیر لدھیانوی، ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر، بشیر احمد ہاشمی، پطرس بخاری اور عابد علی عابد کی تربیت 'انجمن ارباب علم' ہی نے کی۔ مولانا تاجور قدیم روایات کے حامی، اپنوں کے لیے داد اور غیروں کے لیے بے داد کے قائل، انجمن ارباب علم کے مشاعروں پر اجارہ داری قائم کر بیٹھے۔ چنانچہ ان کے اس رویے کے نتیجے میں تاثیر اور ان کے دوستوں نے بزم ادب پنجاب، ترتیب دی۔ دوسری طرف مولانا نے جگر، اصغر اور یگانہ کو لاہور بلوا لیا۔ محفل کا رنگ بدل گیا اور اہل زبان اور پنجاب والوں میں معرکے ہونے لگے۔ ڈاکٹر تاثیر نے پروفیسر پطرس بخاری، عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت، حکیم احمد شجاع، ہری چند اختر، حفیظ جالندھری اور پروفیسر صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے ساتھ مل کر 'زندہ دلان پنجاب' کے نام سے ایک انجمن قائم کی[۲۰]۔ یہی 'زندہ دلان پنجاب' 'نیاز مندان لاہور' کہلائے۔ مولانا تاجور اور نیاز مندان لاہور دونوں ایک دوسرے کے مقابلے میں مشاعرے منعقد کرتے جن سے نئی نسل کا ادبی ذوق مسلسل تربیت پاتا رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ ادبی اختلاف ذاتیات تک پہنچ گیا اور مشاعروں سے ہٹ کر یہ طوفان اخبارات اور رسائل تک پہنچ گیا۔ آخر کار اپنی اپنی جگہ دونوں ہتھیار ڈال گئے۔ بہر حال نیاز مندان لاہور کی تحریک کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ کیونکہ تاثیر نے ایک لحاظ سے شاید نئی نسل کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ مغربی شاعری اور تنقید کی روشنی میں اردو شاعری کو آگے بڑھانے کا جو تخلیقی رویہ زندہ دلان پنجاب نے اپنایا تھا وہی رویہ آنے والی نسلوں کی میراث ٹھہرا۔

پنجاب خصوصاً لاہور کے تہذیبی مرکز بننے کے اس مختصر سے جائزے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حکمران اپنے تئیں جو فیصلے کر رہے ہوتے ہیں، ان کے کیا اثرات مرتب ہوں گے اس بات کا فیصلہ وقت کرتا ہے مثلاً کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا قیام انگریز حاکموں کی ضرورت تھا۔ برصغیر پاک و ہند پر حکومت کرنے اور انتظامی و عدالتی امور کو نبھانے کے لیے مقامی زبانوں کو اہمیت دی گئی۔ فورٹ ولیم کالج کے منشیوں کی اردو زبان میں تحریر کردہ تصانیف اردو ادب کے سرمائے میں کوئی ایسا گراں قدر اضافہ تو نہیں لیکن زبان کی سادگی کے اعتبار سے اردو اسالیب کے سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فورٹ ولیم کالج قائم ہونے کے تقریباً نصف صدی بعد یہی تاریخ پھر دہرائی گئی۔ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب اور پنجاب میں لاہور کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اردو زبان کو اہمیت دی تو یہ سارا سلسلہ مغلوں اور فارسی زبان کے اثرات کو ختم کرنے کا منصوبہ تھا اور انجمن پنجاب کے مشاعرے اسی منصوبے کی ایک

کڑی۔اردو زبان کی سرکاری سرپرستی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ پنجاب کے لوگ سیاسی الجھنوں سے نکل کر ایسی مصروفیات میں محو ہو جائیں کہ انہیں انگریز حاکموں کے خلاف کسی سیاسی تحریک کو چلانے کا خیال بھی نہ آئے۔پنجاب کے حالات انگریزوں کی ان کوششوں کے لیے سازگار تھے کیونکہ مغلوں کے دور میں پنجاب کے مسلمانوں نے سکھوں کے بے انتہا مظالم برداشت کیئے تھے۔انگریز کا دوران کے لیے امن اور سکون کا پیغام لایا تھا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فارسی کے مقابلے میں اردو کو شعوری سطح پر ترویج دینے کی کوشش کی۔۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں بھی ان کا کردار فعال نہ تھا۔کہا جا سکتا ہے کہ سکھوں سے نفرت نے انہیں اپنی پنجابی بولی کو بھی نظر انداز کرنے پر مجبور کر دیا۔

سبب کچھ بھی ہو،لیکن لاہور میں چھاپہ خانوں کے آغاز،معروف رجحان ساز رسائل اور اخبارات کے اجراء اور مختلف ادبی انجمنوں کے قیام اور ان کی ادبی محفلوں کی گہما گہمی نے دہلی اور لکھنؤ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔اردو ادب کی ہر صنف کی ترقی میں لاہور سے تعلق رکھنے والے ادیبوں اور شاعروں کا کردار نمایاں رہا۔یہی وجہ ہے کہ آج 'دبستان لاہور' جدید محققین اور ناقدین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سید محمد لطیف، **تاریخ پنجاب مع حالات شہر لاہور**،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۸۶ء،۳۷۴۔

۲۔ S.S.Thorburn,**The Punjab In Peace and War**,Lahore,Qausain,1987,(Reprint)50

۳۔ کنہیالال ہندی، **تاریخ لاہور**،قلب علی خاں فائق (مرتب) مجلس ترقیٔ ادب،لاہور،۱۹۷۷ء،۶۰۔

۴۔ سید محمد لطیف، **تاریخ لاہور**،۳۵۲۔

۵۔ ممتاز گوہر، **پنجاب میں اردو ادب کا ارتقاء ۱۸۴۹ء سے ۱۹۱۴ء تک**، تحقیقی مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی (غیر مطبوعہ) پنجاب یونیورسٹی لائبریری،لاہور،۱۲۲۔

۶۔ مولوی عبدالحق، **مرحوم دہلی کالج**،انجمن ترقیٔ اردو (ہند) دہلی،۱۹۴۵ء،۱۶۷۔۱۶۸۔

۷۔ سید نیاز احمد ترمذی، **لاہور قدیم کا علمی و ادبی طبقہ**،ماہنامہ ادب لطیف،جلد دوم،شمارہ ۵ جنوری ۱۹۳۶ء،۱۰

۸۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، **صد سالہ تاریخ پنجاب**،جامعۂ پنجاب،لاہور،۱۹۸۲ء،۷۰

۹۔ ایضاً، **پنجاب تحقیق کی روشنی میں**،۲۸۳۔

۱۰۔ ڈاکٹر انور سدید، **اردو ادب کی تحریکیں**،انجمن ترقیٔ اردو،لاہور،۱۹۹۱ء،۳۹۶۔

۱۱۔ پروفیسر محمد شجاع الدین، **سیاسی اور ثقافتی تاریخ**، نقوش (لاہور نمبر)، جلد۹۲، فروری ۱۹۶۲ء، ۱۲۵۔

۱۲۔ محمد یونس خان اظہر، **پنجاب کے ادبی ماہنامے**، اجمالی جائزہ، تحقیقی مقالہ برائے ایم۔اے، ابلاغیات (غیر مطبوعہ) پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۵۔

۱۳۔ سید عابد علی عابد، **اردو کا ایک سال**، نقوش (آزادی نمبر)، اگست ۱۹۶۰ء، ۴۳۔

۱۴۔ حکیم احمد شجاع، **لاہور کی پرانی ادبی مجلسیں**، ماہنامہ ادب لطیف، جلد ۱۷، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۶۵ء، ۱۴۔

۱۵۔ شہرت بخاری، **ادبی تحریکیں**، نقوش (لاہور نمبر)، جلد۹۲، فروری ۱۹۶۲ء، ۱۱۰۸۔